قرآن کریم کے ہم معنی الفاظ کا لغوی فرق

قرآن فہمی کے لیے ایک منفرد اور نادر تحقیق

مترادفات القرآن

تالیف

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ

مکتبۃ السلام

سٹریٹ نمبر ۲۰ وسن پورہ لاہور

مترادفات القرآن

اور اگر یہ نرمی کسی کو کمتر کردے تو یہ ذلت اور رسوائی کی بات ہوتی ہے اور یہ مذموم فعل ہے اور اس کے لیے هُون کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ (۹۳/۶) سو آج تم کو ذلت کا عذاب ہے۔

لہٰذا هَيِّنٌ ایسا کام ہے جو کرنے والے کی طاقت اور قدرت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہو۔ کیونکہ اس کے مادہ کے مفہوم میں فروتنی کے ساتھ ساتھ کمتری و ذلت کا پہلو بھی شامل ہے۔ (بالکل معمولی اور حقیر بات

سورۂ مریم میں ہے کہ جب فرشتے نے حضرت مریم کو بن باپ بیٹے کی پیدائش کی اطلاع دی۔ تو وُہ حیران ہو کر بولیں:

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۔ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ (۱۹/۲۰، ۲۱)

یہ کیسے ممکن ہے کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہو جبکہ مجھے نہ کسی آدمی نے چھوا ہے اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔ فرشتے نے کہا۔ یونہی ہوگا۔ تمہارے پروردگار نے فرمایا۔ یہ چیز میرے لیے بہت آسان ہے۔

ماحصل: (۱) یسیر: بات یا کام جو فاعل سے بسہولت سرانجام پائے۔

(۲) هَيِّنٌ: وُہ بات یا کام جو فاعل کی قوت و قدرت کے مقابلہ میں بہت کم درجہ کا ہو۔

۱۲۔ آسمان

کے لیے سَمَاء (سمو) اور فلک کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

۱۔ سماء۔ سمو اور سماء کے بنیادی معنی بلندی کے ہیں۔ لیکن اس بلندی کی کوئی حد نہیں۔ صاحب فقہ اللغۃ نے سماء کی تعریف ہی یہ کی ہے: ہر وُہ چیز جو ہمارے اوپر اور ہم پر سایہ فگن ہو (ف ل ۱۶) سماء ہے۔ قرآن میں ہے:

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (۲/۲۲) اور اس (اللہ) نے آسمان سے پانی اتارا (مینہ برسایا)

یہاں سماء سے مراد بادل ہیں جو سطح زمین سے عموماً میل ڈیڑھ میل کی بلندی پر اڑتے پھرتے ہیں۔ اس معمولی سی بلندی کے لیے بھی سماء کا لفظ استعمال ہوا ہے اور درج ذیل آیت میں:

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ (۳۷/۶) بیشک ہم نے آسمان دُنیا کو ستاروں کی زینت سے مزیّن کیا۔

اتنی زیادہ بلندی مراد ہے جتنی دوری پر ستارے چمکتے ہیں خواہ وہ لاکھوں میلوں کی بلندی پر ہوں جیسے چاند یا کروڑوں میلوں پر جیسے سورج یا ارب ہا میل کی بلندی جیسے العقرب وغیرہ۔

سماء کا لفظ اسمائے نسبیہ میں سے ہے اور اس کی ضد "ارض" ہے۔ یعنی ہر چیز اپنے ماتحت کے لحاظ سماء اور وُہی چیز اپنے مافوق کے لحاظ سے ارض بھی ہے (مف) گویا ایک ہی چیز اپنے ماتحت کے لحاظ سے سماء ہے اور وہی اپنے مافوق کے لحاظ سے ارض ہے۔ چنانچہ:

۴۔ جِبْت : بمعنی بُت وکاہن وفال گری، اور ہر وہ چیز جس میں خیر نہ ہو (م۔ل) یہ لفظ دراصل اوہام وخرافات کے لیے جامع لفظ ہے۔ جس میں جادو، ٹونے ٹوٹکے، جنتر منتر، ستاروں کی تاثیرات، گنڈے، نقش اور تعویذ وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔

۵۔ طَاغُوت بمعنی "لات، عزیٰ، جادوگر، کاہن، باطل، بُت اور غیر اللہ کی پرستش اور سرکش (م۔ل) گویا طاغوت سے مراد وہ تمام باطل اور سرکش نظام یا قوت ہے جو اللہ کے مقابلہ میں اس کے احکام کی اطاعت پر مائل یا مجبور ہوں۔ ارشاد باری ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا	کیا آپ نے ان لوگوں پر غور نہیں کیا جنھیں کتاب اللہ
مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ	سے حصہ ملا ہے۔ پھر بھی وہ جبت اور طاغوت
وَالطَّاغُوْتِ (۴/۵۱)	پر ایمان رکھتے ہیں۔

ماحصل: (۱) اَصْنَام : تراشیدہ اور قابلِ انتقال وخرید وفروخت بت۔

(۲) نُصُب ، کسی جگہ گاڑے ہوئے مجسمے۔

(۳) وَثَن : مخصوص مقامات اور شجر وحجر وغیرہ جن میں خدائی صفات تسلیم کی جائیں اور ان کی عبادت کی جاتے۔

(۴) جِبْت ، اوہام وخرافات مثلاً ٹونا ٹوٹکہ، جادو گنڈا یا ستاروں کے اثرات اور اُن کی فرمانروائی ماننا۔

(۵) طَاغُوت ، اللہ کے سوا ہر وُہ باطل اور سرکش طاقت، نظام، یا اقتدار جسے خدائی احکام کے علی الرغم تسلیم کرلیا جائے۔

بتلانا کے لیے دیکھیے آگاہ کرنا۔

۱۷۔ بجلی

کی تین مختلف اقسام کے لیے تین الفاظ بَرْق ۔ رَعْد اور صَاعِقَة آئے ہیں۔

۱۔ بَرْق ، چمکنے والی یا کوندنے والی بجلی کو کہتے ہیں جو آنکھوں کو خیرہ کردیتی ہے اور بَرِقَ الْبَصَرُ بمعنی آنکھوں کا چندھیانا۔ قرآن میں ہے:

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ	قریب ہے کہ بجلی کی چمک) ان کی آنکھوں (کی بصارت)
(۲/۲۰)	کو اچک لے جائے۔

۲۔ رَعْد ، کڑکنے اور گرجنے والی بجلی۔ نیز ایسے بادل کو بھی کہتے ہیں جس میں کڑک اور گرج ہو (مف) ارشاد باری ہے:

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور رعد اور فرشتے سب اس کے خوف سے اس کی
مِنْ خِيْفَتِهٖ (۱۳/۱۳)	تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں۔

۳۔ صَاعِقَة ، گرنے اور گر کر بھسم کرنے والی بجلی کو کہتے ہیں۔ لہٰذا اس کا معنی عذاب الٰہی یا موت بھی کرلیا جاتا ہے۔

اور امام راغب کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایسا خوفناک دھماکہ ہے جو اجسام علوی سے متعلق ہو اور

ماحصل: (۱) قَرَأَ: پڑھنے کے لیے اس کا استعمال عام ہے۔ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ کتاب ہو یا چٹھی۔
(۲) تلاوۃ: الہامی کتابوں یا جنتر منتر کے پڑھنے کے لیے آتا ہے۔
(۳) رَتَّل، ٹھہر ٹھہر کر اور سنوار سنوار کر پڑھنا۔
(۴) دَرَس، باقاعدہ سیکھنے کے لیے اور اس کا ضبط کرنا۔
(۵) اَمْلٰی، لکھی ہوئی عبارت پڑھ کر سنانا۔

پسند آنا کے لیے دیکھیے "خوش ہونا"

۱۷۔ پسند کرنا

کے لیے حَبَّ، وَدَّ، اِرْتَضٰی اور تَخَیَّرَ کے الفاظ قرآن میں آئے ہیں۔

۱۔ حَبَّ اور حَبَّۃ دانہ (گندم، جو وغیرہ) کو کہتے ہیں۔ اور حَبَّۃُ الْقَلْب سویدائے دل کو۔ اور محبۃ کے معنی کسی چیز کو اچھا سمجھ کر سویدائے دل میں جگہ دینا، اس کا ارادہ کرنا اور چاہنا (مف) اور بمعنی چاہنا اور اس کے حصول میں حکمت سے کام لینا (فق ل ۹۹) قرآن میں ہے:

اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ (۴۹/۱۲)	کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔

۲۔ وَدَّ: کے معنی بہت محبت کرنا (م۔ ل) اور امام راغب کے نزدیک کسی چیز سے محبت کرنا اور بعض دفعہ صرف اس کے ہونے کی تمنا کرنے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ ان دونوں معنوں میں الگ الگ بھی استعمال ہوتا ہے (مف) اور مَوَدّت بمعنی بہت محبت اور وَدُود بہت محبت کرنے والا ہے۔ اور یہ لفظ صرف کسی چیز کو پسند کرنے یا کسی چیز کی تمنا کرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْہِ	(اس روز) گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں اپنا بیٹا دیدے۔
(۲) رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ (۱۵/۲)	کسی وقت کافر یہ آرزو کریں گے، کاش وہ مسلمان ہوتے۔

۳۔ اِرْتَضٰی، رَضِیَ بمعنی کسی سے خوش اور راضی ہونا۔ اور اِرْتَضٰی بمعنی اپنے دل کی خوشی سے کسی چیز کو پسند کر لینا۔ ارشادِ باری ہے:

فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (۷۲/۲۶-۲۷)	اللہ تعالیٰ اپنا علم غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے (تو اسے غیب کی باتیں بتلا بھی دیتا ہے)۔

۴۔ تَخَیَّرَ: خَیْر بمعنی بہتری، بھلائی۔ اور تَخَیَّرَ بمعنی بہت سی چیزوں میں سے کسی چیز کے

مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (۱۴/۲۴)	پاکیزہ کلمہ کی مثال اس پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط (یعنی زمین کو پکڑے ہوئے ہو) اور شاخیں آسمان میں ہوں۔

۲۔ اَعْجَاز: اَعْجَازُ النَّخْلِ بمعنی کھجور کے درخت کی جڑیں (منجد) درخت کی جڑ کے کئی حصے بن کر زمین میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ جڑ کے ان حصوں کو اعجاز کہتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے:

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (۶۹/۷)	تو اس قوم کو اس طرح بچھڑے ہوئے دیکھے جیسے کھجور کی کھوکھلی جڑیں۔

۳۔ دَابِر: دُبُر بمعنی پشت۔ مقعد۔ اور ہر چیز کا پچھلا حصہ۔ اور دَابِر بمعنی ہر چیز کا آخر۔ اصل اور قَطَعَ اللّٰهُ دَابِرَهُمْ بمعنی اللہ ان کی بیخ کنی کرے (منجد) اور اِدْبَار کا ایک معنی نحوست ہے اور اس کی ضد اِقْبَال ہے۔ اور دَابِر دراصل کسی چیز کے رہے سہے یا بچے کھچے بُرے اثرات کے لیے آتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (۷/۸)	اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر پھینک دے۔

ماحصل: (۱) اَصْل: درختوں اور پودوں کی جڑ۔ (۲) دَابِر: بیخ کنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خرابی کی جڑ یا بنیاد
(۳) اَعْجَاز: جڑ کی زمین میں پھیلی ہوئی چھوٹی شاخیں۔

۶ — جسم

کے لیے جِسْم۔ جَسَد اور بَدَن کے الفاظ آئے ہیں۔

۱۔ جِسْم: ہر وہ چیز جو طول، عرض اور عمق رکھتی ہو (منجد) خواہ جاندار ہو یا بے جان (ج اجسام) (مف) جسامت بمعنی ڈیل ڈول۔ قد و قامت۔ تناور اور بڑا ہونا۔ ارشادِ باری ہے:

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ (۶۳/۴)	اور جب تم ان (کے تناسب اعضاء) کو دیکھتے ہو تو اُن کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

۲۔ جَسَد: جاندار اشیاء کا جسم جن میں دورانِ خون نہ ہو (ف۔ل ۴۵۔۱۱۵) خواہ کسی حیوان کا جسم ہو جیسے:

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ (۲۰/۸۸)	تو سامری نے ان کے لیے ایک بچھڑا بنا دیا۔ (یعنی اس کا قالب) جس کی آواز گائے کی سی تھی۔

اور خواہ انسان کا جیسے:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (۲۱/۸)	اور ہم نے ان پیغمبروں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔

اسی لیے میّتِ انسانی کو جسدِ خاکی یا جسدِ عنصری کہا جاتا ہے۔

رکن ہے لیکن اس کا اصل معنیٰ دُعا دینا۔ تحسین و تبریک اور تعظیم کرنا ہے (مف) ارشاد باری ہے:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (۱۰۳/۹) — اور ان کے حق میں دُعائے خیر کرو کہ تمہاری دُعا ان کے لیے موجب تسکین ہے۔

اور صَلّٰی کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد رحمت کا نزول ہوتا ہے اور اگر بندے کی طرف ہو تو اس سے مراد نزولِ رحمت کی دعا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ — بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۵۶/۳۳) — تو اے مسلمانو تم بھی اس پر نزول رحمت اور سلامتی کی دعا کیا کرو۔ (عثمانی) درود بھیجتے ہیں ——— اُن پر درود و سلام بھیجا کرو (جالندھری)

ماحصل: (۱) دُعَاء: ہر طرح کی دُعا کیلیے عام ہے۔ (۲) حَيّٰى: درازیٔ عمر کی دُعا دینا۔
(۲) سَلَّمَ: سلام کہنا بھیجنا۔ سلامتی کی دُعا کرنا۔ (۴) صَلّٰی: نزولِ رحمت کی دعا کرنا۔ درود بھیجنا۔

۱۴ ——— دل

کے لیے قَلْبٌ، فُؤَادٌ (فاد) صَدْرٌ اور نَفْسٌ کے الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ قَلْبٌ: مشہور عضو۔ رُوح و حیات کا منبع (ج قلوب) عقل، فہم، سوچ، فکر کے لیے اللہ تعالیٰ نے دل کو مخاطب فرمایا ہے یعنی جو افعال جدید طب نے دماغ سے متعلق بتلائے ہیں، قرآن نے دل سے متعلق کیے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا (۱۷۹/۷) — ان کے دل تو ہیں لیکن وُہ ان سے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

۲۔ فُؤَاد: بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جو فرق عَین اور بصر یا اُذن اور سمع میں ہے وہی فرق قلب اور فؤاد میں ہے۔ اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کی جاتی ہے:

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (۳۶/۱۷) — بے شک کان، آنکھ اور دل، ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔

لیکن یہ حقیقت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقل و فہم شعور اور تدبر کے لیے براہِ راست قلب کو مخاطب کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس عضوِ قلب کے کئی حصے ہیں۔ جس طرح دماغ کے مختلف حصے مختلف قوتوں کا مستقر ہیں۔ اسی طرح قلب کے مخصوص حصے بھی مخصوص افعال و جذبات سے متعلق ہیں۔ علم طب کی رُو سے فؤاد قلب کے اوپر کا وُہ حصہ ہے جو فم معدہ کے سامنے ہوتا ہے۔ اور وجع الفواد اسی جگہ پر کے درد کو کہتے ہیں۔

فُؤَاد (جمع اَفْئِدَة) فَاد سے مشتق ہے۔ فَادَ اللَّحْمَ کے معنی گوشت کو آگ پر بھوننا۔ اور لَحْمٌ فَئِيْدٌ بمعنی آگ پر بھونا ہوا گوشت ہے۔ ابن فارس کے الفاظ میں اَلْفَأْدُ يَدُلُّ عَلٰى حُمًّى وَ

(۵) عَصِیب: سخت اور خیر سے خالی۔
(۶) قَمطَرِیر: شر کے لحاظ سے سخت۔
(۷) قَاسِیَة: دل کی سختی یا سنگدلی۔
(۸) غَلِیظ: سنگدل اور تند خو۔
(۹) عَزم: ایسی تندی اور سختی جو کسی عمل سے ظاہر ہو۔

۱۱ــــــ سختی

کے لیے غِلظَة، قَسوَة، بَاسَاء (بؤس یا بئس) اور کَبَد کے الفاظ آئے ہیں۔

۱ـ۲۔ قسوۃ اور غلظۃ پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔ قسوۃ دل کی سختی یا سنگدلی کو کہتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَالِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً (۲/۷۴)

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت۔

۲۔ اور غلظۃ سنگدلی اور تند خوئی کے مجموعہ کو کہتے ہیں جب کہ اس لفظ کی نسبت دل کی طرف ہو۔ ارشادِ باری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً۔ (۹/۱۲۳)

اے ایمان والو! اپنے ملحقہ علاقے کے کافروں سے جنگ کرو۔ اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی معلوم کریں۔

۳۔ بَاسَاء: بؤس میں تنگی اور سختی کے معنی پائے جاتے ہیں۔ خواہ یہ لڑائی کی وجہ سے ہو یا بھوک کی وجہ سے۔ اور بَاس کا لفظ قرآنِ کریم میں جنگ کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے (وَحِينَ الْبَاسِ (۲/۱۷۷) اور عذاب کے لیے بھی (إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا (۶/۴۳) اور آفت کے لیے بھی (بَأْسًا شَدِيدًا (۱۸/۲) ان سب میں تنگی اور سختی کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اور بَاسَاء ایسی تنگی اور سختی کے طویل دور کو کہتے ہیں خواہ یہ معاشی تنگ دستی اور بدحالی ہو یا لڑائی کی سختی۔ ارشادِ باری ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ (۶/۴۲)

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے پھر (ان کی نافرمانیوں کے سبب) ہم انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے تاکہ عاجزی کریں۔

۴۔ کَبَد: بمعنی جگر معروف عضو۔ اور کبد کے لفظ میں سختی اور قوّۃ کا مفہوم پایا جاتا ہے (م۔ ل) اور تکبّد اور کابد بمعنی تکلیف برداشت کرنا (منجد) فِی کَبَد بطور محاورہ استعمال ہوتا ہے، اور یہ انسانی فطرت کا اظہار کرتا ہے۔ انسان کے دل میں ایک خواہش پیدا ہوتی ہے تو اس کو پورا کرنے کے لیے کئی طرح کے رنج والم سہتا ہے اور ابھی وہ پوری نہیں ہو پاتی تو اتنے میں چند اور خواہشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پھر انسان انہیں پورا کرنے اور رنج و محن سہنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور یوں ہی تمام عمر گزر جاتی ہے۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

۱۔ نَکَثَ: قسم توڑنے کے لیے عام اور معروف لفظ ہے۔ معاہدہ، بیع یا عہد و پیمان وغیرہ کی قسم توڑ دینا (منجد) ارشادِ باری ہے۔
اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ (۹/۱۳) بھلا تم ان لوگوں سے کیوں جنگ نہ کرو جنھوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں۔

۲۔ نَقَضَ: نقض کے معنی تخریب کے ہیں۔ نَقَضَ الْبِنَاءَ بمعنی عمارت ڈھانا۔ نَقَضَ الْحَبْلَ بمعنی رسی کے بل کھولنا۔ نقض العھد والامر بمعنی پختگی کے بعد عہد کو حیلوں بہانوں سے خراب کرنا۔ اور نقض امن یعنی بدامنی پھیلانا۔ امن کو خراب کرنا (منجد) گویا نقض کا لفظ نکث سے بہت زیادہ وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے (نیز دیکھیے توڑنا) ارشادِ باری ہے،
وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا اور اپنی قسموں کو توثیق کے بعد مت توڑو۔
(۱۶/۹۱)

۳۔ حَنِثَ: حِنْثٌ بمعنی غلط اور جھوٹی قسم اور بمعنی گناہ۔ نافرمانی (مف) اور حَنِثَ فِی الْیَمِیْنِ بمعنی قسم کی خلاف ورزی کرنا (م ـ ل) یعنی جس کام کے کرنے کی قسم اٹھائی ہو وہ نہ کرنا۔ ارشاد باری ہے،
خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ (۳۸/۴۴) (ہم نے ایوبؑ سے کہا کہ) اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے اپنی بی بی کو مارو اور قسم نہ توڑو۔ (قسم کو پورا کرو۔)

ماحصل: (۱) نَکَثَ: قسم توڑنے کا عام لفظ (۲) نقض: حیلوں بہانوں سے قسم کو غیر مؤثر اور خراب کرنا۔ اور (۳) حَنِثَ: قسم کو جھٹلانا۔ جس کام کرنے کی قسم اٹھائی ہو وہ نہ کرنا۔
قصد کرنا کے لیے دیکھیے "ارادہ کرنا"

۱۳۔ قلعہ

کے لیے حُصُوْن[۱]، صَيَاصِی[۲]، بُرُوْج[۳] اور مَحَارِيْب[۴] کے الفاظ آئے ہیں۔

۱۔ حُصُوْن: (واحد حِصْن) حِصْن ہر ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں حفاظت ہو سکے، وہ محیط بھی ہو اور پناہ کا کام دے سکے (م ـ ل) قلعے جہاں مورچے بھی ہوں تاکہ وہاں پناہ لے کر اپنی حفاظت بھی کی جا سکے اور دشمن کا مقابلہ بھی۔ قرآن میں ہے:
وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ (۵۹/۲) اور یہود کو یقین تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچا لیں گے۔

۲۔ صَيَاصِی: (صِيْصِيَة کی جمع) ہر وہ چیز جس سے اپنے آپ کو محفوظ کیا جا سکے۔ گائے کے سینگ کو بھی اس لیے صِيْصِيَة کہتے ہیں کہ وہ اس سے اپنی حفاظت کرتی ہے (مف) بمعنی حفاظت گاہیں یا قلعے۔ قلعہ نما کوئی بھی چیز۔ یہود کے جنگی قلعے۔ اطام۔ ارشادِ باری ہے:

(۳) بمعنی اصل یا جڑھ۔ جیسے ام الکتاب (۲۹/۱۳) بمعنی اصل کتاب یا لوح محفوظ۔ اور اُمّ القُریٰ (۶/۹۲) بمعنی مرکزی بستی یا کنایۃً شہر مکہ۔ نیز اُمّ الخبائث بمعنی شراب اور اُمّ الامراض بمعنی قبض۔ اُمّ الطریق بمعنی شارع عام۔ اور ام النجوم معنی کہکشاں۔

(۴) بطور عزت واحترام۔ ارشادِ باری ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ (۳۳/۶) پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔

(۵) بطور کنیت۔ پھر اس کنیت میں کبھی تو کوئی تعلق واضح ہوتا ہے جیسے ام اربع واربعین بمعنی کنکھجورا اور کبھی کوئی ادنیٰ تعلق بھی نہیں ہوتا جیسے نومولود بچی کا نام ام کلثوم رکھ دیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن میں ایسی کنیت کا ذکر نہیں۔

۶ــــــ مانگنا

کے لیے طَلَبَ، سَاَلَ، اِدَّعٰی (دعو) حَفَا (حفو) اور اِعْتَرَ (عتر) کے الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ طَلَبَ: طَلَبَ الشَّیْءَ کوئی چیز مانگنا (م۔ق) اور بمعنی کسی چیز کے لیے کوشش کرنا (فق ل ۲۲۹) طِلْب اور طِلْبَۃ بمعنی مانگی ہوئی چیز (منجد) اور بمعنی کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے اس کی تلاش وجستجو کرنا (مف) یہ لفظ مانگنا، چاہنا اور ڈھونڈنا سب معنوں میں آتا ہے۔ اور یہ مانگنے کی ابتدائی کیفیت ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے:

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (۲۲/۷۳) چاہنے والا اور جس کو وہ چاہتا ہے دونوں کمزور ہیں۔

۲۔ سَاَلَ: کا لفظ دو معنوں میں آتا ہے (۱) کسی سے کوئی چیز پوچھنا تاکہ اس کا جواب ملے (۲) کسی سے کوئی چیز ضرورت کی مانگنا یعنی مال یا کسی دوسری ضرورت کی چیز کے لیے استدعا کرنا۔ اور سُؤْل بمعنی ایسی حاجت جس پر نفس حریص ہو اور زبان سے اس کا اظہار بھی کیا جائے (مف) ارشادِ باری ہے:

اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ (۲/۶۱) شہر کی طرف نکل جاؤ۔ پھر جو کچھ تم نے مانگا ہے وہاں ملے گا۔

۳۔ اِدَّعٰی: دعا بمعنی مانگنا، پکارنا، دُعا کرنا۔ اور اِدَّعٰی میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ یعنی کسی چیز کو پکار کر مانگنا (مف) ارشادِ باری ہے:

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ (۳۶/۵۷) ان کے لیے جنت میں میوے بھی ہوں گے اور جو کچھ مانگیں گے وہ بھی (موجود ہو گا)۔

۴۔ حَفَا: بمعنی کسی چیز کی طلب میں مبالغہ سے کام لینا۔ بہت کدوکاوش کرنا (مف۔ م ل) ارشادِ باری ہے:

۵۔ ہدایت دینا۔ پانا

کے لیے ھَدٰی اور اِھْتَدٰی اور رَشَدَ کے الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ اِھْتَدٰی: ھدی بمعنی لطف وکرم کے ساتھ کسی کی رہنمائی کرنا۔ بھلائی کا راستہ دکھانا (مف) اور اس کی ضد ضَلَّ اور اَضَلَّ ہے۔ بمعنی کسی کو راہ بھلا دینا، یا اسے بہکا دینا۔ بھلائی کی راہ کو گم کر دینا یا اوجھل کر دینا (ھدایت ضد ضلالت) ھدایت کا لفظ تین معنوں میں آتا ہے۔

(۱) فطری رہنمائی جو اللہ نے ہر چیز میں ودیعت کر رکھی ہے۔ جیسے بچے کا پیدا ہوتے ہی ماں کے پستانوں کی طرف لپکنا۔ ارشادِ باری ہے:

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (۲۰/۵۰) ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی پھر راہ دکھلائی۔

۲۔ انسان کے ذہن کا رُخ ضلالت سے ہدایت کی طرف یا کفر سے اسلام کی طرف یا نافرمانی سے اللہ تعالیٰ فرمانبرداری کی طرف موڑنا۔ یہ کام گو انبیاء ورسل اور دوسرے لوگوں کی وساطت سے ہوتا ہے۔ مگر اس رخ کو موڑنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ارشادِ باری ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (۲۸/۵۶) (اے محمدؐ!) جسے تم دوست رکھتے ہو اسے ہدایت نہیں کرسکتے بلکہ اللہ ہی ہے جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

۳۔ جو لوگ خدا کی فرمانبرداری یا اسلام کی طرف آجائیں انہیں سیدھی راہ دکھلانا اور راہِ راست پر چلاتے جانا۔ یہ اصل ذمہ داری تو انبیاء ورسل کی ہوتی ہے۔ پھر دوسرے مسلمان بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں (تاہم یہ کام بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہی ہوتا ہے) جیسا کہ فرمایا:

اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ (۱۰/۴۳) کیا تم اندھوں کو راستہ دکھاؤ گے اگرچہ کچھ بھی دیکھتے (بھالتے) نہ ہوں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۴۲/۵۲) اور بیشک (اے محمدؐ) تم سیدھا رستہ دکھاتے ہو۔

اور اھتدی بمعنی ہدایت پانا، سیدھے راستہ پر گامزن ہونا۔ ارشادِ باری ہے:

فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ (۱۰/۱۰۸) تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے سو وہ اپنے ہی لیے راہ پاتا ہے۔

۴۔ رَشَدَ (ضد غویٰ) بمعنی جو شخص راہِ راست پر آجائے اور نیک چلن بھی اختیار کرلے (ق۔م) اور رُشد (ضد غیّ) بمعنی راہِ حق پر برقراری ۔۔ وابستگی (منجد) قرآن میں ہے:

اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ (۱۱/۷۸) کیا تم میں ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں۔ (عثمانیؒ)

ضمیمہ ۴

اَفعال کے ع کلمہ کی حرکت یا مصدر میں فرق سے معانی میں تبدیلی

اس فہرست کو ثلاثی مجرد کے معانی تک محدود رکھا گیا ہے۔ اور جو مادے ثلاثی مزید میں جاکر اپنے معنی بدل دیتے ہیں۔ ان سے تعرض نہیں کیا گیا۔ ورنہ یہ فہرست بہت طویل ہو جاتی۔ اور اس کے لیے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوتی۔ نیز اس فہرست کو یا تو قرآن میں مستعمل الفاظ تک محدود رکھا گیا ہے۔ یا پھر ایسے الفاظ تک جو بہت زبانِ زد اور مشہور ہیں۔ مثلاً حَسِبَ یَحْسَبُ بمعنی گمان کرنا حَسَبَ یحسب بمعنی حساب کرنا۔ گننا۔ شمار کرنا اور حَسُبَ یحسب بمعنی شریف اور صاحبِ حسب ونسب ہونا۔ ان میں پہلے دو تو قرآن میں مستعمل ہیں لیکن تیسرا قرآن میں مستعمل نہیں مگر مشہور ضرور ہے لہٰذا یہ بھی دے دیا گیا ہے۔ اور جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں ان کے آگے حسبِ سابق سورت اور آیت نمبر دیے گئے ہیں۔

۱۔ اَذِنَ۔ یَاْذَنُ۔ اَذَنًا۔ سننا (۸۴/۲)
اَذِنَ۔ یَاْذِنُ۔ اِذْنًا۔ اَذِیْنًا اجازت دینا (۹/۴۲)
۲۔ اَمَنَ یَامِنُ۔ اَمَانَۃً امین ہوا ضد خَانَ (۲/۲۸۳)
اَمِنَ۔ یَامِنُ اَمْنًا۔ کسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنا (۲/۲۸۳)
اَمَنَ۔ یَامِنُ۔ اَمْنًا و اَمَانًا۔ مطمئن ہونا۔ نڈر ہونا۔ بے خوف ہونا (۴/۹۹) (۶/۱۶)
۳۔ بَئِسَ۔ یَبْئَسُ۔ بُؤسًا و بَئِیْسًا۔ بہت حاجتمند ہونا۔ مفلس ہونا (۳۲/۲۸)
بَؤُسَ۔ یَبْؤُسُ۔ بَاْسًا۔ مضبوط اور بہادر ہونا۔ (۲/۱۷۷) (۵/۱۵)
۴۔ بَدَعَ۔ یبدَع۔ بَدْعًا کوئی چیز نمونہ کے بغیر بنانا (۲/۱۱۷)
بدُع۔ یبدُع۔ بَدْعًا و بَدَاعَۃً۔ بِدْعًا۔ بَدُوْعًا کسی نئی بات یا چیز کو پیدا کرنا (۴۶/۹)
۵۔ برَا۔ یَبْرَا۔ بَرْءً و بُرُوْءً عدم سے پیدا کرنا (۵۹/۲۴)
برِا۔ یبرا۔ بروء۔ براء وبَرَاءۃً۔ عیب یا قرض سے نجات پانا۔ سلامت رہنا۔ (۱/۴)
برُا۔ یبرا۔ بُرْءً وبُرُوْعا۔ مرض سے شفا پانا (۴۳/۹۹) (۲/۴۹)
۶۔ بَرَّ۔ یُبِرُّ۔ بِرًّا وبَرَارَۃ و برورًا (فی قولہ) سچ بولنا
بَرَّ۔ یُبِرُّ۔ بَرًّا ومَبَرَّۃً اطاعت کرنا۔ حسنِ سلوک کرنا (۱۹/۱۴)
۷۔ بَرِقَ۔ یَبْرَقُ۔ بَرْقًا: دہشت زدہ ہونا اور آنکھوں کا چندھیانا (۷۵/۷)
بَرَقَ۔ یبرُق۔ برقًا، بُروقا۔ برقانا۔ بجلی کا چمکنا (۱۳/۱۲)
۸۔ بَصَرَ۔ یبصَر۔ بَصَرًا۔ بَصَارَۃً۔ آنکھوں سے دیکھنا (۴۳/۱۹)
بصُر۔ یَبْصُر۔ بَصَرًا۔ بَصِیْرَۃً۔ سوچنا سمجھنا (۲۰/۹۶)